تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب : عظمت کے نشان

مصنف : محمد الیاس اعظمی

ناشر : ادب کدہ، مہراج پور، انور گنج-اعظم گڑھ-۲۷۶۰۰۱ (اترپردیش-انڈیا)

سالِ اشاعت : ۲۰۰۵ء

صفحات : ۲۹۶

قیمت : ۲۰۰ ہندوستانی روپے

تبصرہ نگار : سفیر اختر*

جناب محمد الیاس اعظمی کی متنوع علمی اور تصنیفی دلچسپیوں میں ''دبستانِ شبلی'' کے مطالعہ و تحقیق کو نسبتاً نمایاں مقام حاصل ہے، اُن کے استاذِ گرامی مولانا مجیب اللہ ندوی (م ۲۰۰۶ء) اسی دبستان کی علمی اور ادبی روایت کے امین تھے، اور خود جناب اعظمی مولانا مجیب اللہ ندوی کے جاری کردہ ماہنامہ ''الرشاد'' (اعظم گڑھ) کے ذریعے تصنیف و تالیف اور فکر و دانش کی اسی نہج پر کام کر رہے ہیں۔ یہ محض اتفاق نہیں، بلکہ اُن کے ذوقِ نظر کا اظہار ہے کہ اُنہوں نے ڈاکٹریٹ کے مقالۂ تحقیق کے لیے ''دارالمصنفین کی تاریخی خدمات'' کا موضوع پسند کیا۔ اس سلسلے میں ان کی ایک کاوش ''علامہ سیّد سلیمان ندوی بحثیت مورخ'' کے عنوان سے شائع ہوئی، اور اب سوانحی و تأثراتی مضامین کے زیرِنظر مجموعے میں بھی نصف سے زائد تعداد اُن اہلِ علم کی ہے جو علامہ شبلی نعمانی سے براہ راست متعلق رہے، یا اُن کی علمی و ادبی روایت سے وابستہ تھے۔ کتاب کی دو تہائی ضخامت انہی سے متعلق مضامین کی نذر ہوئی ہے۔

مضامین کے مندرجات پر اظہارِ خیال سے پہلے مناسب دکھائی دیتا ہے کہ جملہ مضامین کے عنوانات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ عنوانات یہ ہیں: ۱۔ سرسیّد احمد خان اور علم تاریخ، ۲۔ علامہ شبلی نعمانی-علی گڑھ میں، ۳۔ تصانیفِ شبلی کے تراجم، ۴۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی کی تصانیف کے تراجم، ۵۔ مولانا حمید الدین فراہی، فن اور شخصیت، ۶۔ مولانا عبدالسلام ندوی: تصانیف، تالیفات اور تراجم،

☆ چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد

۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی بصیرت، ۸۔ مولانا سیّد ابو ظفر ندوی: حیات و خدمات، ۹۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی مؤرخانہ عظمت، ۱۰۔ مولانا امین احسن اصلاحی کا اسلوبِ نگارش، ۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ اور قانون بین الممالک، ۱۲۔ مولانا صدر الدین اصلاحی کی تصانیف: ایک تعارف، ۱۳۔ مولانا مجیب اللہ ندوی، ۱۴۔ قاری محبّ الدین احمد صاحب الہ آبادی، ۱۵۔ قاری ظہیر الدین صاحب معروفی، ۱۶۔ مولانا مفتی نظام الدین اعظمی، ۱۷۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی، ۱۸۔ نجیب محفوظ، ۱۹۔ مجنوں گورکھپوری، ۲۰۔ شکیل بدایونی کی شاعری، ۲۱۔ میجر علی حماد عباسی، ۲۲۔ ڈاکٹر محمد طاہر مرحوم، ۲۳۔ نیاز اعظمی جے پوری، ۲۴۔ ڈاکٹر اکبر رحمانی۔

ان مضامین کے محتویات پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ بعض مضامین (۱۴تا۲۴) اہل علم کی رحلت پر ان کی یاد میں تاثراتی تحریروں کے طور پر لکھے گئے ہیں، یا کسی خاص واقعے، مثلاً نجیب محفوظ کو ادب کا نوبل انعام ملنے، پر حیطۂ تحریر میں آئے ہیں۔ باقی مضامین ڈاکٹریٹ کے موضوع پر کام کرتے ہوئے، یا مختلف سیمیناروں میں پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔

''سرسیّد احمد خان اور علم تاریخ''، ''علامہ شبلی نعمانی-علی گڑھ میں''، ''تصانیفِ شبلی کے تراجم''، ''مولانا سیّد سلیمان ندوی کی تصانیف کے تراجم''، ''مولانا عبدالسلام ندوی: تصانیف، تالیفات اور تراجم''، ''مولانا سیّد ابو ظفر ندوی: حیات و خدمات'' اور ایک حد تک مضمون ''مولانا مجیب اللہ ندوی''، ''دارالمصنفین کی تاریخی خدمات'' پر کیے گئے کام کی توسیع ہے، اور بعض وہی معلومات ان مضامین میں دہرائی گئی ہیں جو مقالۂ تحقیق میں پیش کی گئی تھیں۔ اِن میں سے اوّلیں دو مضامین بظاہر دو مختلف شخصیات پر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ سرسیّد احمد خان اور علامہ شبلی نعمانی کی عمروں میں ایک نسل کے فرق، نیز زاویۂ نظر کے اختلاف کے باوجود اُن میں جو امور باہم مشترک تھے، ان میں دونوں کی تاریخ سے دلچسپی سرفہرست تھی۔ شبلی نعمانی کو سرسیّد احمد خان کے کتب خانے میں ''تاریخ و جغرافیہ کی ایسی کتابیں'' دیکھنے کا موقع ملا تھا جن کو بقول شبلی ''[وہ] کیا بڑے بڑے لوگ نہ جانتے ہوں گے''۔ ان دونوں مضامین میں سرسیّد احمد خان کی تاریخ نگاری اور اُن کے تصورِ تاریخ، نیز شبلی نعمانی کے قیام علی گڑھ (۱۸۸۳-۱۸۹۸ء) میں اُن کی علمی سرگرمیوں، اور بالخصوص تصنیف و تالیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی دور میں شبلی نے ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم''، ''المامون''، ''سیرۃ النعمان''، ''سفر نامۂ روم و مصر و شام'' اور ''الفاروق'' تالیف کی تھی۔ ان میں سے اوّل الذکر مضمون تو لکھا ہی سرسیّد احمد خان کے ایماء پر گیا تھا، اور شبلی نعمانی کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہوں نے اپنی آراء کی جگہ سرسیّد احمد خان کے نقطۂ نظر کو پیش کیا تھا۔ ''المامون'' سرسیّد

کے دیباچے کے ساتھ چھپی تھی، اور ''الفاروق'' پر سرسیّد نے حوصلہ افزا تبصرہ لکھا تھا۔ مزید براں بعض کتابیں سرسیّد نے کالج کی جانب سے شائع کی تھیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور اُن کے جانشین سیّد سلیمان ندوی کی تحریروں کی مقبولیت کا ایک مظہر یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو رہے ہیں۔ جناب اعظمی نے تراجم دیکھ کر، یا ثانوی ذرائع سے ان کے بارے میں معلومات یک جا کی ہیں، البتہ ثانوی ماخذوں سے حاصل کردہ معلومات میں جو غلطیاں تھیں، وہ من و عن جناب اعظمی کے مضامین میں در آئی ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی، تصنیف و تالیف کے حوالے سے دارالمصنفین میں سیّد سلیمان ندوی کے بعد دوسرے بڑے قلم کار تھے، مگر انہیں اپنی تنہا پسندی اور افتادِ طبع کے باعث سماجی طور پر وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔ جناب کبیر احمد جائسی جیسے بعض اہل قلم کو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مولانا عبدالسلام ندوی کے ساتھ ''زیادتی'' ہوتی رہی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی مختلف تحریروں میں شکایت آمیز انداز میں مولانا عبدالسلام ندوی کی سوانح حیات اور علمی کارناموں کی جانب توجہ دلائی ہے۔ غالبًا اب تک ''حیاتِ شبلی'' یا ''حیاتِ سلیمان'' جیسی کوئی بہت جامع سوانح عمری یا مطالعہ تو مولانا عبدالسلام ندوی پر سامنے نہیں آیا، تاہم پاکستان و ہند کی مختلف جامعات میں اُن کی علمی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تنقیدی اور تجزیاتی کام ہو چکا ہے، اِسی طرح اُردو اور انگریزی میں اُن کے بارے میں نہایت جامع تعارفی مضامین شائع ہو گئے ہیں۔ جناب اعظمی کا مضمون بھی تعارفی نوعیت کا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی دلچسپیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا، اور ایک باصلاحیت ''مدیر جریدۂ'' کی کامیابی کے لیے یہ ''وسعتِ مطالعہ'' آج بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی مولانا آزاد کے زمانہ ''الہلال'' و ''البلاغ'' میں تھی۔ تاریخ اور آثارِ قدیمہ سے مولانا آزاد کی دلچسپی کا اظہار ''الہلال'' کے صفحات سے لے کر ''ترجمان القرآن'' کے تفسیری مباحث تک ہوا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے اس بیان میں اگرچہ کچھ مبالغہ دکھائی دیتا ہے کہ ''مولانا آزاد کا تاریخی شعور خونِ زندگی کی طرح اُن کی ہر تحریر و تقریر میں دوڑتا نظر آتا ہے''، تاہم یہ بیان سرے سے غلط بھی نہیں۔ جناب اعظمی نے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کے اثبات کے لیے اُن کی متفرق تحریروں اور ''ترجمان القرآن'' کے مندرجات سے استشہاد کیا ہے، اور اُن کے مطالعے میں آنے والی بعض کتابوں پر اُن کے حواشی کا ذکر کیا ہے۔ مولانا آزاد نے سرمد، داراشکوہ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس میں ''تاریخیت'' کی نسبت ''رومانویت'' کو زیادہ دخل ہے، اور یہاں وہ اپنے پیش رو علامہ شبلی نعمانی سے مختلف، بلکہ متضاد زاویۂ نظر رکھتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ''غبارِ خاطر'' کے آخری خط میں اورنگ زیب

عالمگیر کی ''فصلِ بہار'' پر جو کچھ کہا ہے، اسے خود جناب اعظمی کے اس اقتباس سے ملا کر پڑھنے کی ضرورت ہے: ''متعصب مؤرخوں نے عالمگیر کی ذات کو سب سے زیادہ ہدفِ تنقید و تنقیص بنایا۔ ایک کنیز زین آبادی سے اس کے تعلق کو بہت بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ [اکبر] رحمانی صاحب نے اس پر ایک مفصل اور علمی مقالہ لکھ کر اس سلسلہ کے الزامات کی پردہ دری کی ہے'' (صفحات ۲۸۲-۲۸۳)۔

سیّد ابو ظفر ندوی اور مولانا مجیب اللہ ندوی نے اپنی علمی و تصنیفی زندگی کا آغاز دارالمصنفین میں کیا تھا۔ دو مضامین ان کی کاوشوں کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ باقی مضامین میں سے مولانا حمیدالدین فراہی کے فن اور شخصیت پر صرف چھ صفحات لکھے گئے ہیں، زاویۂ نظر درست ہونے کے باوجود مضمون بہت تشنہ ہے۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' کی روشنی میں ان کی ''مؤرخانہ عظمت'' متعین کی گئی ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحی کی جملہ تصانیف و تراجم کے تعارف کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی کے اسلوبِ نگارش اور ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی اُن کاوشوں پر گفتگو کی گئی ہے جن کا تعلق ''قانون بین المما لک'' سے ہے۔

جناب محمد الیاس اعظمی نے ایک ذمہ دار مصنف کے طور پر اپنے مآخذ کا ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ''تصانیف شبلی کے تراجم'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''اس مضمون کی تیاری میں 'کتاب نامہ شبلی' از جناب اختر راہی، 'اشاریہ جہانِ شبلی' از ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری مشمولہ 'فکر و نظر'، شبلی نمبر، علی گڑھ اور 'منتخب کتابیات شبلی' مرتبہ جناب کبیر احمد خان صاحب مشمولہ 'الفاروق: ایک مطالعہ' مطبوعہ ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ (۲۰۰۲ء) سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے'' (ص ۶۰)۔ اس طرح مولانا عبدالسلام ندوی کی تالیف ''ابن یمین'' کے تعارف میں لکھا ہے: ''باوجود تلاش بسیار کے یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔ [کتاب کے بارے میں] مذکورہ تمام تفصیلات بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے رسالہ 'اُردو' سے دستیاب ہوئیں۔ انہوں نے اس پر ایک عمدہ تبصرہ کیا ہے'' (ص ۸۶)۔

دورانِ مطالعہ میں حسب ذیل فروگزاشتیں اور کمزوریاں سامنے آئی ہیں، اُمید ہے کہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کر دی جائے گی۔

☆ ''الفاروق'' (شبلی نعمانی) کے انگریزی تراجم کے حوالے سے لکھا گیا ہے: ''دوسرا انگریزی ترجمہ جناب محمد سلیم کے قلم سے نکلا'' (ص ۵۰)، جب کہ پہلا ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ''الفاروق'' کے پہلے حصے کا ترجمہ (بہ قلم مولانا ظفر علی خان) شیخ محمد اشرف (لاہور) نے

شائع کیا تو ترجمۂ کتاب کی تکمیل کے لیے اس کے دوسرے حصے کا ترجمہ محمد سلیم سے کرایا گیا۔ دوسرے لفظوں میں ''الفاروق'' کا صرف ایک کامل انگریزی ترجمہ ہے، جس کے پہلے حصے کا ترجمہ مولانا ظفرعلی خان، اور دوسرے حصے کا ترجمہ محمد سلیم نے کیا ہے۔

یہ اطلاع بھی مسرت سے سنی جائے گی کہ انجینئر عبدالمالک میمن نے ''الفاروق'' کا سندھی ترجمہ کیا ہے جو دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد سے شائع ہوا ہے۔

☆ ''سیرۃ النبیؐ'' کے انگریزی ترجمے کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جناب فضل الرحمٰن (م ۱۹۲۶ء)، سابق وزیر حکومت پاکستان نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی دونوں جلدوں کو انگریزی کا قالب عطا کیا جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے علی الترتیب ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۰ء میں شائع کیا'' (ص ۵۴)۔ دوسرا انگریزی ترجمہ طیب بخش بدایونی نے کیا جو قاضی پبلشرز لاہور سے ۱۹۷۹-۱۹۸۰ء میں شائع ہوا (ص ۵۴)۔

''سیرۃ النبیؐ'' کے انگریزی تراجم کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب فضل الرحمٰن نے دونوں جلدوں کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔

فضل الرحمٰن کا ترجمہ جلد اوّل، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی-کراچی نے دو حصوں میں شائع کیا۔ جلد اوّل کا ترجمہ شائع ہو جانے کے بعد جمعیت الفلاح-کراچی کے ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نے مولوی سبطین احمد کے قلم سے ''سیرۃ النبیؐ'' کی جلد دوم کا ترجمہ شائع کیا (مولوی سبطین احمد نے اگرچہ دونوں جلدوں کا ترجمہ کیا تھا، تفصیل کے لیے دیکھیے: تسلیم غوری بدایونی، [مقالہ] ''سیرۃ النبیؐ'' کا ایک گمنام مترجم: مولوی سبطین احمد اور اُن کا وطن، ''معارف''، اعظم گڑھ، جنوری ۲۰۰۵ء، صفحات ۴۸-۶۴)۔

''سیرۃ النبیؐ'' (جلد اوّل تا ششم) کا ایک اور ترجمہ جناب رفیق عبدالرحمٰن کے قلم سے دارالاشاعت-کراچی نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔

☆ مولانا سیّد ابو ظفر ندوی پر مضمون کی ساری معلومات بہت حد تک اعظمی صاحب کی تالیف ''دارالمصنفین کی تاریخی خدمات'' میں آ چکی ہے۔ اس طرح ہمارے لیے یہ مضمون قندِ مکرّر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی ایک دو فروگزاشتوں کی طرف ہم اعظمی صاحب کی اصل کتاب پر تبصرے میں اشارہ کر چکے ہیں۔ (دیکھیے: ''فکر و نظر'' بابت جولائی-ستمبر ۲۰۰۴ء، صفحات ۱۶۳-۱۷۳)۔ زیرنظر مضمون میں انہوں نے ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں سیّد ابو ظفر ندوی کے شائع شدہ مقالات کی زیادہ مکمل

فہرست دی ہے (صفحات ۳۱۸-۳۱۹)۔ ''معارف'' کے علاوہ سیّد ابو ظفر ندوی کے مضامین ماہنامہ ''برہان'' (دہلی) اور ماہنامہ ''شہاب'' (جونا گڑھ) میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ جناب اعظمی کو ہندوستان میں ''برہان'' (دہلی) اور ''شہاب'' (جونا گڑھ) کی فائلیں دستیاب نہ ہو سکیں'' (ص ۱۴۶)۔ ''اشاریۂ برہان'' میں سیّد ابو ظفر ندوی کے اِن مضامین کا اندراج کیا گیا ہے: ''احمد آباد کی شیدی سعید کی مسجد'' (جلد ۳۳، شمارہ ۴۵)، ''سنسکرت کا فارسی ترجمہ'' (جلد ۳۲، شمارہ ۲)، ''جوگ بششٹ''، (جلد ۴۰، شمارہ ۳-۴)۔

''دارالمصنفین'' کی متعدد کتابیں پاکستان میں قانون کے مطابق، یا اسے نظرانداز کرتے ہوئے شائع ہوتی رہی ہیں، اور اب بھی ہو رہی ہیں۔ ان اشاعتوں کی خبر تو ''دارالمصنفین'' کے کارپردازوں کو ہوتی رہتی ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً احتجاج بھی کرتے رہے ہیں، مگر یہ اشاعتیں ہندوستان میں بالعموم دستیاب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب محمد الیاس اعظمی نے بعض ان کتابوں کی اشاعتِ جدید کی جانب توجہ دلائی ہے، جو پاکستان کے ناشرین نے اصل نام، یا نام بدل کر شائع کر رکھی ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی کی بعض کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان نے دارالمصنفین کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے تحت شائع کی ہیں۔ دوسرے اداروں نے بھی اُن کی بعض معروف کتابیں شائع کر رکھی ہیں جو بازار میں بآسانی دستیاب ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب خاصے سلیقے سے مرتب کی گئی ہے، اور اِسی طرح مناسب انداز میں شائع کی گئی ہے۔ ناشر اپنے حسنِ ذوق کے لیے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔